اہلیہ ڈاکٹر ملک بشیر احمد ناصر صاحب (درویش قادیان)

مکرمہ امۃ الحفیظ صاحبہ

(بشریٰ صادقہ۔کینیڈا)

قادیان کے خوبصورت ماحول میں بڑا کردار ان درویشنیوں کا تھا۔ یہ اطاعت و وفا کی پتلیاں تھیں

آج میں اپنی پیاری امی کی یادیں لکھنے بیٹھی ہوں تو دماغ میں ایک فلم چل رہی ہے۔ اور آنکھوں کی برسات قلم کا لکھا مٹا دیتی ہے۔

میری امی امۃ الحفیظ صاحبہ 1926ء میں محترم خواجہ عبدالواحد صاحب مہاجر ابن حضرت عمرو صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر پیدا ہوئیں۔ نومبر 1953ء میں میرے والد صاحب ڈاکٹر ملک بشیر احمد ناصر صاحب درویش قادیان سے شادی ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کا اثر تھا کہ خدا نے قادیان کے لیے 313 کے بابرکت عدد میں بے انتہا برکت ڈال دی۔ یہ تمام درویش پاک روحیں تھیں۔ پھر خدا نے ایسے جیون ساتھی عطا کیے جنہوں نے قادیان کے ماحول کو مزید خوبصورت بنایا۔ بڑا ہی حسین ماحول تھا۔ سب لوگ انتہائی محبت کرنے والے، ایک خاندان کی طرح تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی میں خوب خوش ہوتے اور دکھ میں ایک دوسرے کے لیے تڑپ جاتے۔ اس خوبصورت ماحول میں بڑا کردار ان درویشنیوں کا تھا۔ یہ اطاعت و وفا کی پتلیاں تھیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اُن مبارک جوڑوں میں سے ایک جوڑا میرے والدین کا بھی تھا۔ اپنے پیارے ماں باپ کی دعاؤں کی لوریاں آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہیں اور ان کے دعا کرتے ہوئے لب آج بھی میری آنکھوں میں پھرتے ہیں۔

میری والدہ 1953ء میں شادی کے بعد پاکستان سے قادیان آئیں۔ اس وقت میرے ابا کو پانچ روپے ماہانہ الاؤنس ملتا تھا۔ ابتدائی درویشی کے زمانہ میں مالی مشکلات اور تنگی کا پہلو نمایاں نظر آتا تھا۔ والدہ بتایا کرتی تھیں کہ روٹی کے ساتھ اکثر کھانے کو سوائے نمک مرچ کے کچھ نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دال کھانے کو بہت دل چاہتا تھا لیکن ایک آنہ (چھ پیسے) بھی نہ تھے کہ دال خرید سکیں۔ امی میں بہت زیادہ قناعت اور شکر کی عادت تھی اور کفایت شعار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد سلیقہ شعار بھی تھیں۔ چار بیٹیوں تک کپڑے ہاتھ سے سی کر پہناتی رہیں۔ اس کے بعد ایک used sewing machine خرید کر بہت خوش ہوئیں۔ بازار سے کپڑے کے چھوٹے pieces (جو کم قیمت میں مل جاتے تھے) خرید کر بہترین ڈیزائن بنا کر بچوں کو پہناتیں۔ knitting بھی بہترین کرتی تھیں۔ راتوں کو بیٹھ کر اُون سلائیوں سے بُن کر سویٹر، پاجامہ اور ٹوپی کے سیٹ بنا کر بچوں کو پہناتیں۔ اگر کوئی ڈیزائن ایک دفعہ دیکھ لیتیں تو اس کو ویسے ہی نقل کر لیتیں۔

ہمارے ابا جی باوجود تنگ دست ہونے کے اپنے والد صاحب اور خاندان کی بھی مالی مدد کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ اپنے خاوند کی مدد کے لیے امی نے نصرت گرلز اسکول میں ملازمت شروع کر دی۔ جب ابا جی کو میڈیکل سکول آف آپتھلولوجی (Opthalmology) میں ایڈمیشن مل گیا تو فیس دینے کے لیے آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ امی نے چُپ چاپ جا کر اپنا کچھ زیور بیچا اور فیس کے لیے ابا جی کو رقم دیتے ہوئے کہا کہ آپ جا کر اپنی تعلیم مکمل کریں۔ میری اور بچوں کی فکر نہ کریں۔

ابا جی کے جانے کے بعد اسکول میں پڑھاتی بھی رہیں اور تین بچوں کو بہلانے اور کھلانے کے لیے ایک لڑکی کو ملازمہ کے طور پر بھی رکھ لیا اور یوں بڑے وقار کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا اور ابا جی تین سال بعد گولڈ میڈل لے کر واپس آئے اور آنے کے بعد پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی۔ الحمدللہ۔

امی اپنے خاوند کی بہترین مشیر اور ان کی ہر چیز کی امین تھیں۔ ان کی ہر چیز کا بغیر بتائے ان کو پتہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ابا جی کے کلینک کی صفائی اور کلینک کی ہر ضرورت کا خیال رکھتیں۔ ابا جی نے آنکھوں کے بے شمار آپریشن کیے۔ ابا جی اپنے مریضوں کے لیے بڑے خلوص اور درد دل کے ساتھ دعائیں کیا کرتے تھے۔ امی اس ضمن میں بھی دعاؤں کے ذریعہ ابا جی کی ہم نوا تھیں۔

اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل توکل تھا۔ ابا جی اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اس معاشرے میں نرینہ اولاد نہ ہونے پر عورت جس امتحان میں سے گزرا کرتی تھی، ہماری امی اس امتحان میں سے بھی گزریں۔ تین بیٹیوں کے بعد چوتھے حمل سے گزر رہی تھیں کہ ایک دن ایک ہندو سادھو کے ذریعہ ایک دوائی ملی اور اس نے کہا کہ میرا بڑا تجربہ ہے اگر اسے پانی میں ملا کر پیا جائے تو ضرور بیٹا پیدا ہوگا۔ جب وہ دوائی میری امی تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیے جو میرا ایمان ضائع کر دے۔ اس سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک اور صالح بیٹی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے چوتھی بیٹی عقیلہ عفت عطا فرمائی جس کو خدا کے فضل سے خدمت دین کی بھی توفیق ملی اور ماں باپ کی خدمت کی بھی بہت توفیق ملی۔ بھارت کی لجنہ کی جنرل سیکرٹری اور پھر کینیڈا کی نیشنل سیکرٹری تعلیم اور نائب صدر کی حیثیت سے خدمت کا موقع ملا۔

اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹیوں سے نوازا۔ پانچوں کو ایسے پالا کہ ہر ایک سمجھتی تھی کہ جیسے وہی سب سے زیادہ پیاری ہے۔ سب کو قرآن کریم باترجمہ پڑھایا۔ جہاں تک ہو سکا دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا اور اس کے ساتھ ان کے لیے دعاؤں کے خزانے بھی جمع کیے۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی رضا کی جنتوں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

میری امی بے حد دعا گو، تہجد گزار، بہترین ماں اور بہترین استاد تھیں۔ دوسروں میں اچھی عادتیں اور اچھی باتیں دیکھ کر نہ صرف خوش ہوتیں بلکہ ان کو اپنانا آپ کے کردار کی خصوصیت تھی۔ بچوں کی تربیت کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔ آٹا گوندھتے وقت یا برتن دھوتے وقت اکثر درود شریف کا ورد کر رہی ہوتی تھیں۔ بچوں کی موجودگی میں ذرا اونچی آواز سے درود شریف پڑھتیں اور انہیں متوجہ کر کے کہتیں کہ ہاتھ تو کام کر رہے ہیں منہ بالکل فارغ ہے اس لیے درود شریف پڑھنے یا کوئی اور دعا پڑھنے میں مصروف رکھنا چاہیے۔

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے بہت رقّت سے یہ دعا کیا کرتی تھیں کہ اے اللہ مجھے روزے رکھنے اور عبادت کی توفیق دے۔ شوگر کی مریضہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بے قراری کی دعائیں سنتا اور روزوں کی بھی توفیق دیتا۔ کئی بار اعتکاف بیٹھنے کی توفیق بھی ملی۔

قادیان میں لجنہ اماء اللہ کے تحت نائب سیکرٹری مال کا کام 18 سال تک کرتی رہیں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے تعلیم القرآن کی تحریک کی تو ہمارا گھر عصر کی نماز کے بعد اسکول کی شکل اختیار کر جاتا۔ بہت سی عورتوں کو قرآن مجید ناظرہ پڑھاتیں اور بہت سی عورتوں کو ترجمہ پڑھاتیں۔ خدمت خلق اور دوسروں کی مدد کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ کوئی بیمار ہوتا تو تیمار داری کے لیے ہر وقت تیار رہتیں۔ کسی کے بچہ پیدا ہوتا تو ماں کے لیے پنجنی یا پنجیری اور بچے کے لیے کپڑے اور بچھونیاں وغیرہ بنا کر لے جاتیں۔ سب عورتیں آپس میں ایک دوسرے کو آپا کہتیں۔ ان سب کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت کا ایک سمندر تھا۔ ہمسایوں اور محلہ میں سب ایک گھر کی طرح رہتے تھے۔ امی سب محلے کی لڑکیوں کو اکٹھا کر کے وقار عمل کرواتیں اور یوں ہم اپنی گلی کی نالیاں کھیل کھیل میں ہی صاف کر لیتے۔

احسان اور اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کی جھلک ان کی ہر ادا میں تھی۔ ان کی خواہش ہوتی کہ ضرورت مند کو کوئی ہنر سکھا دوں تا کہ وہ محتاج نہ رہے۔ سلائی میں تربیت یافتہ ٹیچر تھیں اور بہترین سلائی اور کڑھائی کرتی تھیں۔ بہت سی عورتوں اور لڑکیوں کو سلائی اور پھر برقعہ اور کوٹ سینا سکھایا۔ اکثر گھر میں سلائی سیکھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ غریب عورتوں کو گاہے بہ گاہے کچھ سامان خرید کر دیتیں۔

خدا کے فضل سے بہت آسودہ حال تھیں طبیعت میں نرمی اور رحم تھا۔ گھر میں ہر ملازمہ کو بیٹی کی طرح رکھا۔ اس کو گھر میں پڑھا لکھا کر اس قابل کرنے کی کوشش کرتیں کہ وہ خط لکھنا اور پڑھنا سیکھ لے اور ساتھ ہی سلائی بھی سکھاتیں۔ یہ لڑکیاں جو اَن پڑھ ماحول سے آئی ہوئی تھیں اور ٹھیٹھ پنجابی بولتی تھیں انہیں اردو بولنا سکھایا تا کہ بچوں کے ساتھ اردو میں بات کر سکیں۔ گھر کے کام کاج میں ان کا باقاعدہ ہاتھ بٹاتیں اور ان کی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتیں۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر جب ہم بہنوں میں سے کوئی بھی قادیان جاتا ہے تو اَب تک وہ لڑکیاں جو اپنے گھروں والی ہیں بڑی محبت سے ہمیں ملنے آتی ہیں اور امی کو ہمیشہ ماں کی طرح یاد کرتی ہیں۔ ایک بار امی کی ایک ملازمہ ملنے آئی تو امی کا ذکر کرتے ہوئے انگلی کے پورے سے آنسو پونچھتی جاتی تھی اور بتاتی تھی کہ مجھے بہن جی (امی کو بہن جی کہتی تھی) نے پڑھنا لکھنا سکھایا۔ میں نو یا دس سال کی آئی تھی۔ ایک بار میرے سر میں جوئیں پڑ گئیں تو اپنے ہاتھ سے میرا سر صاف کیا۔ شادی کی عمر کو پہنچی تو ماں کی طرح میرے لیے بستر، کپڑے اور برتن محبت سے بنائے۔ چھ لڑکیاں امی کے پاس مختلف وقتوں میں ملازم رہیں۔ سب کو لکھایا، پڑھایا اور شادی پر بہت کچھ دے کر رخصت کیا۔ شادی کے بعد جب وہ ملنے آتیں تو ان کا ایسے ہی خیال رکھتیں جیسے کہ وہ میکے آئی ہوئی ہیں۔ ان کی مہربانیاں گھر کی ملازمہ تک محدود نہ تھیں بلکہ جب کبھی بھی کوئی مزدور گھر کی مرمت وغیرہ کا کام کرنے آتا تو ان کے لیے اچھا کھانا اور چائے کا اہتمام ضرور کرتیں۔

امی کی دینی اور دنیوی skills کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ حساب کے سوال بہت آسانی سے اور بہترین انداز میں حل کر لیتی تھیں۔ نویں اور دسویں کلاس تک مشکل سوالوں میں ہماری مدد کیا کرتی تھیں۔ تاریخ اور جغرافیہ میں اتنا عبور تھا کہ اپنے بچوں کو ان مضامین میں بھی بھرپور مدد دیتیں اور بہت اچھی طرح ہاتھ سے نقشہ کھینچ کر مختلف براعظموں اور ملکوں کی نشاندہی کرتیں۔

تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ ہندو اور سکھ عورتیں آتیں تو ان سے بڑے اچھے انداز میں بات کرتیں۔ ہندو عورتوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ کرشن جی کو ہم بھی نبی مانتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانے میں کرشن جی کی پیشگوئی کے مطابق تمہارے لیے کرشن بن کر آئے ہیں۔ ایک دن اپنی ایک سکھ دوست سے بات کرتے ہوئے انہیں بتا رہی تھیں کہ گورو نانک جی نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بٹالہ کی جو میں ایک بہت بڑی ہستی پیدا ہونے والی ہے۔ جب ان کے مریدوں نے پوچھا کہ کیا آپ سے بھی بڑی ہستی؟ تو گورو جی نے فرمایا ”ہاں“۔ ایک مرید نے کہا کہ پھر آپ کو کون پوجے گا؟ اس پر گورو جی نے فرمایا کہ ”وہ میری شان بڑھائے گا“۔ پھر اپنی دوست کو سمجھایا کہ دیکھو گورو جی کی بات کیسے پوری ہوئی۔ آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے دلوں میں گورو نانک جی کے لیے محبت اور عقیدت بھر دی ہے۔

مہمان نوازی کا بھی انوکھا انداز تھا۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں انڈیا کے مختلف صوبوں سے مہمان آیا کرتے تھے۔ قادیان کے خوشبودار باسمتی چاولوں کو بہت پسند کرتے اور سوغات کے طور پر واپس گھروں کو لے جانے کے خواہش مند ہوتے۔ جو مہمان بھی امی سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتا، امی اس کے لیے تکیے کا غلاف سیتیں اور اس میں باسمتی چاول بھر کر اچھی طرح سی کر تحفۃً دے دیتیں۔ کئی بار جلسہ کے دنوں میں بعض مہمانوں کو لنگر کی روٹی موافق نہ آتی اور پیٹ خراب ہونے کی شکایت ہوتی تو صبح صبح بہشتی مقبرہ کی سیر سے واپس آتے ہوئے عورتوں کو اپنے گھر لے آتیں اور انہیں گھر کی روٹی، پراٹھے کھلاتیں۔ مہمانوں کی خدمت کر کے چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا۔ اس بات پر

بہت خوش ہوتیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کا موقع مل رہا ہے۔ ان کی شخصیت میں عجیب کشش تھی۔ جو ایک دفعہ ان سے ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں اکثر امی کی ڈیوٹی زنانہ جلسہ گاہ کے داخلی دروازے پر مردم شماری کی ہوا کرتی تھی۔

اُن دنوں ناصرات کے تینوں گروپس میں سے جو بچیاں امتیازی پوزیشن حاصل کرتی تھیں ان میں سے ایک یا دو کو جلسہ پروگرام کمیٹی تقریر کرنے کے لیے چن لیتی تھی۔ ان میں اکثر میری بہن عزیزہ تقریر کے لیے چن لی جاتی تھی۔ غالباً اس کی عمر سات، آٹھ سال کی ہوگی جب اس نے پہلی بار جلسہ سالانہ پر تقریر کی۔ جلسہ کی صدارت محترم سیٹھ محمد صدیق بانی صاحب آف کلکتہ کی بیگم کر رہی تھیں۔ حاضرین جلسہ مکمل خاموشی کے ساتھ سٹیج کی طرف متوجہ تھے۔ تقریر ختم ہونے پر جب عزیزہ مائیکروفون سے ہٹ کر پیچھے مڑی تو صدر جلسہ نے اپنی بازو پھیلا کر آغوش میں لے لیا اور پیار سے چوما اور سٹیج پر موجود کسی عورت سے پوچھا کہ ”یہ کس کی بیٹی ہے؟“ پھر ہنس کر کہا کہ ”اس کو تو مردوں کے جلسہ میں بھی تقریر کے لیے بھیجنا چاہیے۔“ جلسہ کے اختتام پر صدر صاحبہ (جلسہ سالانہ قادیان) امی سے ملیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایسی بچیوں کے ہوتے ہوئے آپ بیٹا نہ ہونے پر کیوں پریشان ہوتی ہیں؟

شکر گزاری کا وصف ان کی زندگی میں نمایاں نظر آتا تھا۔ ہر لحہ شکر یہ ادا کیا کرتی تھیں کہ خدا نے مجھے درویش خاوند عطا کیا اور قادیان دارالامان جیسی پرسکون جگہ میرے لیے چُنی۔ اپنے بچوں میں بھی یہ صفت دیکھنا چاہتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن جبکہ ہم چار بہنیں (تین سے آٹھ سال کی عمر تک کی) صحن میں کھیل رہی تھیں کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ ایک شخص اپنے کھیت کے خربوزے تحفۃً دے کر چلا گیا۔ امی نے ہم سب کو بلا کر چارپائی پر بٹھایا اور بتایا کہ یہ خربوزے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھیجے ہیں۔ اللہ میاں کا شکر ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو اَور زیادہ دیتا ہے۔ یہ بتا کر ہمیں خربوزے کی قاشیں کاٹ کاٹ کر دینے لگیں۔ ہم بھی اپنی عمر کے مطابق کہتے جاتے کہ اللہ میاں! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں میٹھے میٹھے خربوزے کھانے کو دیے۔ ابھی کھا کر اُٹھے بھی نہ تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کوئی دروازے پر آم چھوڑ کر چلا گیا۔ امی نے کہا دیکھا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے شکر کرنے کی وجہ سے اَور نعمت بھیج دی پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے تیسرا اور چوتھا نعمتوں کا تحفہ آتا رہا۔ اور یہ اللہ کی بندی اپنے بچوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا سکھاتی رہی۔ یوں لگتا تھا کہ آسمان کا خدا اپنی بندی کی کوشش میں شریک ہو گیا تھا جبکہ وہ اپنی بچیوں کو اللہ کا شکر کرنے کا سبق سکھا رہی تھی۔

امی نے بچیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے ہر جائز وسیلہ اختیار کیا۔ میری بہن عزیزہ کو بی اے کے بعد انگلش میں M.A کرنے کے لیے جالندھر میں پڑھنے کے لیے بھیجا۔ امی کے تعاون کے بغیر عزیزہ کے لیے ان مشکل حالات میں تعلیم مکمل کرنا ممکن نہ تھا۔ ہماری کامیابیوں پر امی کی آنکھوں سے جو محبت، خوشی اور خدا کی شکر گذاری چھلکتی تھی اسے دیکھ کر ہم یوں خوش ہوتے گویا ہمیں جنت مل گئی ہے۔ وہ واقعی ہماری جنت تھیں!

شوگر کی مریضہ ہونے کی وجہ سے امی کے گردے ٹھیک نہ رہے اور صحت بگڑتی گئی یہاں تک کہ یہ بہت ہی پیارا اور ہر وقت دعائیں کرنے والا وجود 9 اور 10/اگست 1987ء کی درمیانی رات کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آخری وقت میں مَیں امی کے پاس بیٹھی تھی مجھے کہا کہ درود شریف پڑھو اور میرے اوپر پھونکو۔ یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اے میرے پیارے اللہ! میرے پیارے ماں باپ پر بے شمار رحمتیں نازل فرما اور ہر آن ان کے درجات بلند کرتا جا۔ آمین ثم آمین۔

☆...☆...☆

بقیہ: کلام امام الزّماں علیہ الصلوٰۃ والسلام.....از صفحہ 01

لے اور ایسا ہی حنفی، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کُل فرقے تو تب ہی اُس سے راضی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کی بات تسلیم کرے اور کوئی بھی ردّ نہ کرے اور یہ ناممکن ہے۔ اگر یہ ہو کہ کوٹھڑی میں بیٹھا رہے گا اور اگر شیعہ اس کے پاس جائے گا تو اندر ہی اندر مخفی طور پر اسے کہہ دے گا کہ تُو سچا ہے اور پھر سُنّی اُس کے پاس جائے گا تو اُس کو کہہ دے گا کہ تُو سچا ہے۔ تو پھر تو بجائے حَکم ہونے کے وہ پکّا منافق ہوا۔ اور بجائے وحدت کی رُوح پھونکنے کے اور سچا اخلاص پیدا کرنے کے وہ نفاق پھیلانے والا ٹھہرا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آنے والا موعود حَکم واقعی حَکم ہوگا۔ اُس کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہے۔ اس کے فیصلہ میں ایک ہے نہیں۔ [غالباً یہ سہو کتابت ہے۔ اصل فقرہ یوں معلوم ہوتا ہے: ”اس کے فیصلہ میں دو میں سے ایک ہے نہیں“ واللہ اعلم۔ (مرتب)]

ایک نقل مشہور ہے کہ کسی عورت کی دو لڑکیاں تھیں ایک بیٹ میں بیاہی ہوئی تھی اور دوسری بانگر میں اور وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی تھی کہ دو میں سے ایک ہے نہیں۔ اگر بارش زیادہ ہوگئی تو بیٹ والی نہیں ہے اور اگر نہ ہوئی تو بانگر والی نہیں ہے۔ یہی حال حَکم کے آنے پر ہونا چاہیے۔

وہ خود ساختہ اور موضوع باتوں کو ردّ کر دے گا اور سچ کو لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حَکم رکھا گیا ہے۔ اسی لیے آثار میں آیا ہے کہ اُس پر کُفر کا فتویٰ دیا جاوے گا کیونکہ وہ جس فرقہ کی باتوں کو ردّ کرے گا وہی اُس پر کُفر کا فتویٰ دے گا۔ یہاں تک کہا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کے وقت ہر ایک شخص اُٹھ کر کھڑا ہو گا اور منبر پر چڑھ کر کہے گا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔ اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ وہ بہت سی باتوں کو ردّ کر دے گا جیسا کہ اُس کا منصب اُس کو اجازت دے گا۔

غرض اس بات کو سرسری نظر سے ہرگز نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ غور کرنا چاہیے کہ حَکم عدل کا آنا اور اس کا نام دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے وقت آئے گا اور اس اختلاف کو مٹائے گا۔ ایک کو ردّ کرے گا اور اندرونی غلطیوں کی اصلاح کرے گا۔

وہ اپنے نورِ فراست اور خدا تعالیٰ کے اعلام والہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دے گا اور کچّی اور مخکم باتیں رکھ لے گا۔ جب یہ مسلّم امر ہے تو پھر مجھ سے یہ اُمید کیوں کی جاتی ہے کہ میں ان کی ہر بات مان لوں قطع نظر اس کے کہ وہ بات غلط اور بیہودہ ہے۔ اگر میں ان کا سارا رطب و یابس مان لوں تو پھر میں حَکم کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟ یہ ممکن ہی نہیں۔

افسوس یہ لوگ دل رکھتے ہیں پر سوچتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں پر سنتے نہیں۔ ان کے لئے بہترین راہ اب یہی ہے کہ وہ رو رو کر دعائیں کریں اور میرے متعلق کشف الحقیقت کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق چاہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص محض احقاقِ حق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے گا تو وہ میرے معاملہ کی سچائی پر خدا تعالیٰ سے اطلاع پائے گا اور اُس کا زنگ دور ہو جائے گا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جو دلوں کو کھولے اور کشفِ حقائق کی قوت عطا کرے۔

اسلام اس وقت مصیبت کی حالت میں ہے اور وہ ایک فنا شدہ قوم کی حالت اختیار کر چکا ہے۔ ایسی حالت اور صورت میں ان لوگوں پر مجھے رونا آتا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام کی اس تباہ شدہ حالت کی اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بیمار ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بیماروں سے بڑھ کر کون واجب الرحم ہو سکتا ہے جو اپنی بیماری کو صحت سمجھے۔ یہی وہ مرض ہے جس کو لاعلاج کہنا چاہیے۔ اور ان لوگوں پر اَور بھی افسوس ہے جو خود حدیثیں پڑھتے اور پڑھاتے تھے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آیا کرتا ہے لیکن اس چودھویں صدی کے مجدد کا انکار کر دیا۔ اور نہیں بتاتے کہ اس صدی پر جس میں سے بیس سال گذر گئے کوئی مجدد آیا ہے یا نہیں؟ خود پتہ نہیں دیتے اور آنے والے کا نام دجّال رکھتے ہیں۔ کیا اسلام کی اس خستہ حالی کا مداوا اللہ تعالیٰ نے یہی کیا کہ بجائے ایک مصلح اور مردِ خدا کے بھیجنے کے ایک کافر اور دجّال کو بھیج دیا؟ یہ لوگ ایسے اعتقاد رکھ کر خدا تعالیٰ کی اس پاک کتاب قرآن مجید کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

تقویٰ نہیں رہا

اس وقت تقویٰ بالکل اُٹھ گیا ہے۔ اگر ملّانوں کے پاس جائیں تو وہ اپنے ذاتی اور نفسانی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مسجدوں کو دوکانوں کا قائمقام سمجھتے ہیں۔ اگر چار روز روٹیاں بند ہو جائیں تو کچھ تعجب نہیں کہ نماز پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیں۔ اس دین کے دو ہی بڑے حصے تھے ایک تقویٰ دوسرے تائیدات سماویہ۔ مگر اب دیکھا جاتا ہے کہ یہ باتیں نہیں رہیں۔ عام طور پر تقویٰ نہیں رہا اور تائیداتِ سماویہ کا یہ حال ہے کہ خود تسلیم کر بیٹھے ہیں کہ مدّت ہوئی ان میں نہ کوئی نشانات ہیں نہ معجزات اور نہ تائیداتِ سماویہ کا کوئی سلسلہ ہے۔ جلسہ مذاہب میں مولوی محمد حسین نے صاف طور پر اقرار کیا تھا کہ اب معجزات اور نشانات دکھانے والا کوئی نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ تقویٰ نہیں رہا کیونکہ نشانات تو متقی کو ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی تائید اور نصرت کرتا ہے مگر وہ نصرت تقویٰ کے بعد آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اور معجزات اسی لئے عظیم الشان قوت اور زندگی کے نشانات ہیں کہ آپ سید المتقین تھے۔ آپ کی عظمت اور جلال کا خیال کر کے بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اب پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ کا جلال دوبارہ ظاہر ہو اور آپ کے اسمِ اعظم کی تجلّی دنیا میں پھیلے اور اسی لئے اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے اور اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اس لیے کوئی مخالف اس کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 31تا34۔ ایڈیشن 1984ء)

☆...☆...☆